اقبال کا فلسفیانہ نظام

ڈاکٹر وحید عشرت

اقبال کا فلسفہ دو وسیلوں سے ہم تک پہنچا ہے ایک بڑا پیرائیہ اظہار ان کی شاعری ہے تو دوسرا ان کی نثر۔ نظم اور نثر دونوں پر مشتمل ان کی کتب میں ان کے فلسفیانہ افکار کا اظہار ہوا ہے۔ فلسفیانہ افکار کے اظہار کے لیے ذریعۂ ابلاغ کی اہمیت ثانوی ہے اولین چیز افکار کا طبع زاد ہونا اور علمی اور وہ عقلی دلائل ہیں جن سے کوئی فلسفی اپنے نظام فکر کو مرتب کرتا اور نتائج اخذ کرتا ہے۔ اقبال کے فلسفیانہ فکر کی یہ بھی انفرادیت ہے کہ انہوں نے اظہار کے دونوں پیرائیوں کو استعمال کیا یہ ان کی اظہار کے مختلف پیرائیوں پر قدرت کو بھی ظاہر کرتا ہے اور یہ اقبال کے فکر کی جامعیت ہے کہ وہ اظہار کے سب ہی پیرائیوں پر مکمل دسترس رکھتے تھے، علامہ اقبال کا تخلیقی فکر ان کی شاعری میں اور ان کا ارتباطی فکر ان کی نثر میں زیادہ تر اظہار پایا ہے۔ تخلیقی فکر میں انہوں نے جو طبع زاد نظریہ پیش کیا ہے وہ ایک لفظ میں ان کا فلسفہ خودی ہے جس میں ان کے مابعد الطبیعیاتی افکار کا پورا نظام مکنون ہے اور ارتباطی فلسفے میں وہ مختلف نظام ہائے فلسفہ کے تجزیہ اور تنقید سے ایک نیا سماجی اور عمرانی نظام مرتب کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جو ایسے عمرانی تصورات پر مبنی ہے جو اس سے قبل کہیں اور نظر نہیں آتے۔ تاریخ فکر میں دو طرح کے فلسفی ہوئے ہیں ایک وہ جن کا فکر و فلسفہ تخلیقی ہے اور دوسرے وہ فلسفی جو مختلف فلسفیانہ نظریات میں ارتباط پیدا کر کے ایک نئے فلسفہ کی تشکیل کرتے ہیں۔ اقبال ہمارے واحد عظیم فلسفی ہیں جو تخلیقی اور ارتباطی دونوں اسلوب فلسفہ کے منفرد نمائندے ہیں لہٰذا انہیں بیسویں صدی کے بڑے فلسفیوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

اس سے پیشتر کہ میں اقبال کے فلسفیانہ افکار کے طبع زاد پہلوؤں اور اقبال کے نظام فکر کے بنیادی نکات کو بیان کروں میں اقبال کے فلسفی نہ ہونے کا دعوی کرنے والوں کے اعتراضات کا جائزہ لوں گا۔ مجھے اعتراف ہے کہ یہ جائزہ مختصر ہوگا مگر کسی بھی صاحب علم کے لیے یہ میرا موقف سمجھنے کے لیے کافی ہوگا۔

ا۔علی عباس جلالپوری نے اپنی کتاب اقبال کا علم کلام میں اقبال کو متکلم قرار دیا ہے کہ انہوں نے مذہبی معتقدات کی فلسفیانہ توضیح و تشریح علم کلام کے ذریعے کی ہے۔ مذہبی معتقدات کی فلسفیانہ توضیح و تشریح کرنے والا متکلم تو ہو سکتا ہے فلسفی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے افکار طبع زاد نہیں ہوتے۔ لفظ طبع زاد ایک مجرد اصطلاح ہے جس سے مراد بالکل نیا خیال یا نظریہ ہے مگر مجھے یہ کہنے دیجیے کہ کوئی تصور اور خیال مکمل طور پر طبع زاد نہیں ہو سکتا اور کوئی بھی فلسفہ خلا میں نہیں اگتا۔ ہر خیال کے پیچھے ایک فکری روایت موجود ہوتی ہے اور ہر تصور اپنے عہد کی ایک مخصوص سماجی اور عمرانی صورت حال میں پیدا ہوتا ہے۔ طالیس ملطی جو پہلا فلسفی ہے اس نے کہا کہ کائنات پانی سے بنی ہے اور کون نہیں جانتا کہ

بائبل کے عہد نامہ قدیم کے باب پیدائش میں واضح طور پر کائنات کی پیدائش کا بنیادی عنصر پانی کہا گیا ہے۔ کائنات کی پیدائش کے بارے میں پہلا سوال اور اس کا جواب بھی مذہب نے دیا لہٰذا تمام مابعد الطبیعیاتی سوالات ان کے جوابات پر ان کے غور و فکر کا اسلوب اور منہاج مذہب سے ہی وجود میں آیا ہے لہٰذا طالیس ملطی ، پارمنڈیز ،اینکسی منڈر راینکمینز ، انیکسا غورس اور فیثا غورث تمام کا منہاج فکر اور نتائج فکر کا مبداء مذہب ہے۔ یہ تصور بھی غلط ہے کہ فلسفے کا آغاز دیومالائی ادب سے ہوا۔ اصل اس کی یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں لکھنے اور پڑھنے کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے انبیاء کی شخصیات ،ان کی سوانح اور افکار دھندلا گئے اور وہ دھندلائے ہوئے کردار اور شخصیات مافوق البشر دیوتاؤں اور ان کی سیرتیں کہانیوں کا روپ دھار گئیں اور انہیں اساطیر شمار کر لیا گیا۔ البیرونی کے بقول خود سقراط اور افلاطون حضرت موسیٰ کے پیروکار تھے۔ اگر تاریخ فلسفہ کا مطالعہ کیا جائے تو ہر فلسفی کی فکر کی کاشت اس کے عمرانی اور مذہبی افکار سے ہی تشکیل پائی ہے اور طبع زاد فکر ایک رومانوی اور افسانوی بات نظر آتی ہے۔ اقبال کی فکر کے تشکیلی عناصر بھی مذہب، برصغیر کی عمرانی اور سیاسی صورت حال اور مغربی اور اسلامی روایت فکر کے مختلف منابع میں اپنی جڑ رکھتے ہیں۔ لہٰذا اقبال ہر لحاظ سے ایک طبع زاد فلسفی ہے یا پھر تمام فلسفی متکلم قرار دے دیئے جائیں۔

۲۔ دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ اقبال نے فلسفے پر کوئی باقاعدہ کتاب نہیں لکھی یہ بات بہت افسوس ناک ہے کہ یہ لوگ اسرار خودی اور رموز بے خودی کو بھول جاتے ہیں جو خالص اقبال نے فلسفہ خودی پر لکھی ہیں۔ اسرار خودی میں فرد کے حوالے سے اور رموز بے خودی میں معاشرے، جماعت اور اجتماع کے حوالے سے اقبال نے اپنے خیالات کو ظاہر کیا ہے۔ ایک فرد کی خودی یا شخصیت کی تعمیر کے لیے کیا لازم ہے اور ایک نظام اجتماعیت کے لیے کیا ضروری ہے ان دونوں کتب میں اقبال نے انفرادیت اور اجتماعیت کے نظامات پر اپنے خیالات پیش کیے ہیں اور ان کی تفصیلی بحث خطبات اور دوسری شعری کتب حتیٰ کہ خطوط میں بھی بیان ہوئی ہے اقبال کے فلسفہ انفرادیت اور فلسفہ اجتماعیت میں جس کو اقبال نے فلسفہ خودی کہا ہے ایک پورا مابعد الطبیعیاتی ،عمرانی اور اخلاقی نظام واضح طور پر موجود ہے جس کی تشریحات اقبال کی باقی تحریروں میں بھی دستیاب ہیں۔ ہم سقراط کو فلسفی بلکہ فلسفیوں کا باپ (ابوالفلاسفہ) قرار دیتے ہیں مگر اس نے تو کوئی کتاب نہیں لکھی بلکہ وہ تو کتاب لکھنے کے ہی خلاف تھا اس کا مشہور قول ہے کہ وہ فلسفے کو انسانوں سے نکال کر مردہ کھالوں پر منتقل نہیں کرنا چاہتا۔ یاد رہے کہ کاغذ نہ ہونے کی وجہ سے ان دنوں جانوروں کی کھالوں پر لکھا جاتا تھا۔ اگر سقراط کا فلسفہ افلاطون اور ارسطو کی تحریروں میں اجاگر ہوا ہے تو اقبال کا فلسفہ بھی برصغیر کے مسلمانوں اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو متحرک کر کے زندہ کرتا ہے لہٰذا کتاب کا لکھا یا نہ لکھا جانا ایک بودی سی بات ہے۔

میرے خیال میں علی عباس جلالپوری اور ڈاکٹر عطا الرحیم دونوں کے اعتراضات کے جوابات

اوپر آ گئے ہیں کہ اپنی اصل میں کوئی فلسفہ نیا یا طبع زاد نہیں ہوتا بلکہ کنفیوشس کے الفاظ میں ہم پرانی شراب کو نئی بوتلوں میں ہی پیش کرتے ہیں ۔ پرانے افکار و نظریات نئی سماجی، عمرانی اور فکری صورت حال میں اپنے عہد کے تقاضوں کے مطابق جب نئے پیرائیوں میں ڈھل کر اپنے عہد کے چیلنجوں پر پورا اترتے ہیں تو ان کا جواز اور استناد خود پیدا ہو جاتا ہے۔

اب میں ان عناصر کی طرف آتا ہوں جو فلسفہ اقبال کے تشکیلی عناصر ہیں اور جو اپنی اصل میں طبع زاد اور نئے ہیں ۔ مجھے افسوس ہے کہ اس مختصر مضمون میں ، میں ان کی طرف صرف اشارہ ہی کر سکوں گا اس پر تفصیلی اظہار کے لیے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

۱۔ اقبال کے فلسفے کا ایک بنیادی اور اساسی تصور ایک نئی مابعد الطبیعیات کی تشکیل ہے۔ اقبال کی مابعد الطبیعیات کائنات کو مادی کی بجائے روحانی الاصل کے تصور پر اپنی اٹھان رکھتی ہے۔ اقبال نے کائنات کے روحانی الاصل ہونے کا تصور گرچہ قرآن سے لیا مگر انیسویں اور بیسویں صدی کے مادہ کے بارے میں نظریات سے بھی استفادہ کیا اور اپنی بات کو محکم کیا کہ مادہ قابل تحویل بھی ہے اور قابل فنا بھی۔ خطبات میں اس پر تفصیلی بحث موجود ہے۔ کائنات کی تشکیل مادہ سے نہیں ہوئی جبکہ نوری لہروں سے ہوئی ہے، مادہ کوئی ٹھوس شے نہیں بلکہ یہ نوری لہروں کا انجماد اور ان کی ترتیب و ترکیب کی نوعیّتوں سے تشکیل پاتا اور مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے۔ اللہ بھی چونکہ نور السمٰوات والارض ہے لہٰذا ان نوری لہروں کا مرجع بھی خدا ہی ہے۔ لہٰذا کائنات کوئی ٹھوس مادی شے نہیں بلکہ اپنی اصل میں نوری یا روح ہے یہ خدا کے ہی نور کا پھیلاؤ ہے۔

۲۔ اقبال کے فلسفے کی دوسری بڑی خصوصیات کائنات کا حرکی ہونا ہے۔ یونانی اور ان کے تحت اہل مغرب کائنات کو سکونی سمجھتے تھے وہ کائنات کے حرکی ہونے کے منکر تھے۔ جب کائنات مادی کی بجائے روحانی ٹھہری تو اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ کائنات کو حرکی تصور کیا جائے۔ اقبال نے کائنات کو حرکی اور حرکت کو اصل قرار دیا۔

چلنا چلنا مدام چلنا

اقبال کے نظریہ حرکت کا جوہر ہے۔

۳۔ یقیناً اسلامی روایت میں خودی کا تصور موجود ہے ان معنوں میں بھی جن میں اقبال نے اسے لیا اور غرور، تکبر کے معانی میں بھی۔ مگر مغربی اور اسلامی روایت میں خودی کا تصور ایک فلسفیانہ نظام کے طور پر کسی نے بھی استعمال نہیں کیا۔ سقراط نے بھی کہا کہ اپنے آپ کو پہچانو (Know thyself) اور من عرفه نفسه فقد عرفه ربه بھی موجود ہے۔ صوفیا نے بھی خودی کو عرفان نفس کے معانی میں لیا مگر پوری فلسفے کی روایت خواہ مغرب کی ہو یا مشرق کی خودی، ایغو یا انا ایک فلسفے کے وسیع تر معانی میں موجود نہیں کہ اس سے انفرادی اور اجتماعی نظام کی تشکیل کی گئی ہو۔ اقبال سے پہلے خودی کا لفظ استعمال کرنے والوں کے ہاں خودی کا تصور محدود ہے جبکہ اقبال نے اسرار خودی میں اسے

فردیت کی شناخت ،تعمیر اور استحکام کا پورا ایک نظام بنایا کہ کس طرح یہ ایک فرد یا ذات کی تشکیل وارتقا کا بنیادی اصول بنتا ہے اور وہ عرفان ذات کی اعلیٰ منازل اور مدارج تک رسائی حاصل کرتا ہے اور ایک عمرانی اور سماجی فلسفہ میں خودی ایک جماعت کی تشکیلی شناخت اور استحکام کا بنیادی تصور کیونکر قرار پاتا ہے جس کی روشنی میں برصغیر میں ایک مسلم ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں مسلمان اسلام کی ایک سرزمین سے پیوستگی کرتے ہوئے اپنے دین کے مطابق ایک نیا نظریاتی معاشرہ تشکیل دیں یوں پاکستان خود اقبال کے تصور خودی کا ہی ثمر ہے جو ایک عظیم نظریاتی شناخت کے ساتھ وجود میں آیا۔ دنیا میں یہ بھی ایک منفرد واقعہ ہے کہ کسی فلسفی کے فلسفہ اور نظریہ پر کوئی نئی ریاست وجود میں آئی ہو۔ پاکستان کا قیام اقبال کے فلسفے کے تخلیقی ہونے کا اشتہاد ہے۔ جو انسانی تاریخ کا ایک منفرد واقعہ ہے۔ اس سے قبل مدینہ کی ایک نظریاتی ریاست وجود میں آئی۔ مارکس کے فلسفے نے روس پر قبضہ کیا اپنی فکر کی بنیاد پر ریاست تخلیق نہیں کی۔ البتہ بعد میں ۱۹۴۹ء میں اسرائیل کی نظریاتی ریاست ضرور وجود میں آئی جو بعد کا واقعہ ہے۔ پاکستان اقبال کے فلسفہ خودی کے اطلاق ونفاذ پر اپنی اٹھان رکھتا ہے یوں اقبال کے فلسفہ خودی نے اپنی تنفیذ کے لیے خود ایک سرزمین تخلیق کی۔ یہ ان کا خودی کا تخلیقی اور اطلاقی شعور ہے کہ اس نے اپنے لیے خود ایک اجتماع کو وضع کیا۔ یوں اقبال کا فلسفہ خودی اپنے جوہر میں گہری تخلیقی اور عملی جہت سے بھی مرصّع ہے۔ یوں اقبال کا نظریہ اجتماع سب فلسفیوں سے منفرد ہے کہ وہ محض تجریدی ہیں جبکہ اقبال کا نظریہ اجتماع عملی اور اطلاقی بھی ہے۔

۴۔ خلیفہ عبدالحکیم، بشیر احمد ڈار، ایس ایم رشید، ڈاکٹر این میری شمل اور بعض دوسرے لوگوں نے اقبال کی فکر کو یہ کہہ کر مسخ کیا ہے کہ اقبال کا تصور مرد مومن نیٹشے یا مغربی فلاسفہ سے اخذ کردہ ہے۔ اقبال کا مرد مومن یا فرد مصدقہ اپنی اطلاقیت میں حضور نبی پاک ﷺ کی سیرت وکردار سے مستنیر ہے۔ حضورؐ نے قدیم تمدن اور جدید تمدن کے سنگم پر جنم لیا بلکہ حضورؐ نے قدیم تمدن کا اختتام کیا اور ایک نئے تمدن کی نیو رکھی۔ مرد مومن کے تمام خواص انہوں نے حضورؐ کی ذات سے اخذ کئے۔

نیٹشے اور اہل مغرب کا فرد مصدقہ یا سپر مین اندھی میکانکی قوتوں کا پروردہ ہے جو طاقت وقوت کو اپنا معبود قرار دیتا ہے۔ قوت ہی جہاں ہر چیز کا معیار اور پیمانہ ہے۔ لارڈ ولیم برٹینڈ رسل نے بھی اپنی کتاب Power میں طاقت (Power) کو ہی تاریخ کی اصل قوت متحرکہ کہا ہے یوں اس نے مذہب، اخلاق اور روحانی اقدار کی طاقت کی نفی کی ہے۔ اس کے نزدیک بھی قوت ہی اصل چیز ہے۔ قوت جبر و استحصال کی مظہر ہے جہاں بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا کر توانائی حاصل کرتی ہے۔ جس میں فرد سماج کا دشمن اور سماج فرد کا دشمن ہے۔ بقول سارتر اور بعض دوسرے فلاسفہ مغرب (کومت وغیرہ) کے اجتماع فرد کی آزادی کو محدود کرتا ہے۔ اور فرد سماج کی آزادی کا دشمن ہے۔ نیٹشے کا سپر مین جرمنی میں ہٹلر کی صورت میں ارتقایاب ہوا بلکہ مجسم ہوا۔ جس نے دو عظیم جنگوں کو جنم دیا اور ہر طرف تباہی پھیلا دی۔ جو قوت کے حصول میں اس قدر مستغرق تھا کہ اس کے نزدیک قوت ہی اعلیٰ ترین قدر بن گئی۔ جس نے

جنگل کے قانون کو رواج دیا۔ اقبال کا مردمومن یا فرد مصدقہ الوہی صفات رکھتا ہے اس کا کردار قرآن کی اعلیٰ اخلاقی اقدار سے تشکیل پاتا ہے جو معاشرے کو فرد کا دشمن تصور نہیں کرتا بلکہ اجتماع فرد کی صلاحیتوں کی تعمیر اور انہیں نکھارنے اور پروان چڑھانے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ جس میں قوت بالمقصد ہے۔ جو خدا کی قائم کردہ اخلاقی حدود کی پاسداری کرتا ہے جہاں اندھی قوت کا کوئی تصور نہیں۔ جہاں فرد جماعت کی تعمیر کا باعث بنتا ہے فرد اپنی فردیت کے لیے ربط ملت کو لازم سمجھتا ہے لہٰذا یہ کہنا چغد پن ہے کہ اقبال اپنے تصور مردمومن میں نیٹشے سے متاثر تھے وہ صرف اور صرف حضورؐ اور انبیاء عظام سے متاثر تھے۔ نیٹشے کے سپرمین نے ہٹلر کو جنم دیا جس نے یورپ کا ہی نہیں پوری دنیا کا سکون برباد کر دیا اور اقبال کے مردمومن نے قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت میں اظہار پایا جس نے برصغیر کے مسلمانوں کو بغیر جنگ کیے ایک نیا ملک پاکستان دیا جہاں وہ اپنی روایات اور دین کو فروغ دے سکیں۔ ہٹلر سراپا جبر وظلم تھا اور جھوٹ اس کا پیراہن تھا جبکہ قائداعظم نے سیاست کو سچ کے اصول پر مدون کیا اور سچ کے فروغ کے لیے پاکستان کی صورت میں انسانوں کا گہوارہ بنایا ہے جس نے ہمیں آشتی دی۔ ہٹلر کی شخصیت جبر وظلم کا شہکار تھی اور قائداعظم امن وسلامتی کے سفیر تھے۔

۵۔ علامہ اقبال نے نیشنلزم کے تصور کی نئی تشکیل کی۔ مغرب میں نیشنلزم کی تشکیل کے عناصر نسل، علاقہ، زبان اور مشترکہ مفادات تھے جبکہ اقبال نے مغربی نیشنلزم کے اس تصور کو رد کر دیا۔ دین اور مذہب کو نیشنلزم کی اساس قرار دیا۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدہ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانہ دین نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفویؐ ہے
نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفویؐ خاک میں اس بت کو ملا دے
ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزادِ وطن صورت ماہی

ہے ترک وطن سنتِ محبوبؐ الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت کی گواہی
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

نیشنلزم اور قومیت کے مغربی تصور اور وطنیت کے تصور کو صرف اقبال نے رد کیا اور یہ کہہ کر کہ ''خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ''، مسلم نیشنلزم کا نیا تصور دیا جس پر برصغیر میں ایک قومی نظریے کو مات ہوئی اور دو قومی نظریہ وجود میں آیا جس کو اپنا کر برصغیر کے مسلمانوں نے ایک نیا خطہ ارض پاکستان کو وجود بخشا۔ اقبال کا نظریہ قومیت ایک نیا اور منفرد فلسفہ اجتماعیت ہے جس نے بیسویں صدی میں جنم لیا۔ اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کو ایک نئی اساس عطا کی۔

۶۔ اقبال نے مذہب کے تصور کو بھی بدل کر رکھ دیا اسے ایک ذاتی اور نجی معاملہ کی بجائے ریاست کے ایک بنیادی اور رہنما اصول کی حیثیت سے پیش کیا۔ اسے مجموعہ عقائد و عبادات سے بڑھ کر مسلم اجتماعیت کا ایک اصول قرار دیا اور اسلام کو بطور اصول مدنیت اور اصول سیاست قرار دیا اور اسلام کو نظام حیات بتا کر جدید تہذیب و تمدن کے لیے واحد راہ نجات قرار دیا۔ دین کی تعبیر و تفسیر ایک نظام زندگی کے بطور کی۔

۷۔ اقبال نے روح کی لا فانیت کا نظریہ پیش کیا۔ خودی اقبال کے نزدیک نہ تو ختم ہو جاتی ہے اور نہ وہ خدا میں جذب ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ اپنی انفرادیت اور بقا کو باقی رکھتی ہے۔

۸۔ اقبال نے تمدن، تصوف، شریعت، کلام۔ بتان عجم کے پجاری تمام کہہ کر دین اور اسلام کا تصور بھی بدل دیا اور مسلمانوں کو یہ کہا کہ نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری۔ اقبال نے یوں پوری دنیا کے مسلمانوں کو حرکت و عمل کا تصور دیا اور اسلام کے ساتھ چپکے ہوئے باطل نظریات کو رد کر دیا۔ یوں اقبال نے اسلام کو آلائشوں سے پاک کیا۔ اور دنیا کی استکباری قوت سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ دیا۔

۹۔ اقبال بیسویں صدی کا پہلا شخص ہے جس نے مغرب پر اس کے فلسفے پر اور اس کے نظریات اور مغرب کی تہذیب پر اس وقت تنقید کی جب برطانیہ کا سورج غروب نہ ہوتا تھا۔ اس وقت اس کو شیشہ

گری کہا اور اس کی خودکشی کی پیش گوئی کی اور اسلام کے روشن مستقبل کی نوید سنائی۔

فکر اقبال کے انفرادیت اور اجتماعیت کے فلسفے کی جڑیں اس کے فلسفۂ خودی میں ہیں اور یہ فلسفہ اقبال نے کہیں سے مستعار نہیں لیا۔ ایسے ہی بہت سے پہلو ہیں جن سے ہم اقبال کو محض فلسفی ہی نہیں ایک بڑا فلسفی کہہ سکتے ہیں۔

۱۰۔ اقبال مسلمانوں میں ہی نہیں دنیا بھر میں ایک منفرد و عظیم فلسفی ہے جس نے جمہوریت کے نقائص بیان کرنے کے ساتھ ساتھ نوع انسانی کا مستقبل روحانی جمہوریت، جمہوری خلافت یا نظریاتی اسلامی خلافت و جمہوریت سے قائم کیا۔ اقبال نے صدیوں سے مسلمانوں کی روح کو کچلتی ہوئی آمریت اور ملوکیت کو اسلام کے منافی قرار دیا جس نے سلطانی جمہور یعنی جمہور کی حکمران کی بات کی وہ نوع انسانی کے لیے امن، آزادی، حریت، عزت نفس اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا نقیب ہے۔ ایک انقلابی اور عملی اور اطلاقی فکر رکھنے والا فلسفی ہے جس کی نظیر نہیں ملتی جو غلام قوموں کے لیے آزادی کا نعرہ اور انسانوں کی بے مثل آزادی کا سب سے بڑا محرک تھا۔ وہ دنیا بھر کی مظلوم اور استبداد میں جکڑی ہوئی اقوام کے لیے نغمۂ آزادی ہے اور مظلوموں کی مدد کرنے کا داعی ہے۔ ان کو استعمار سے لڑنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔ مغربی استعماریت اور نو آبادیاتی نظام سے سب سے پہلے آزاد ہونے والا برصغیر بالخصوص پاکستان اقبال کے فکر کا ہی شہکار ہے۔ ہمارے بعد ہی چین، افریقہ، اور تیسری دنیا کے ممالک کو آزادی نصیب ہوئی۔ اقبال نو آبادیاتی پر پہلا پتھر تھا جس نے اسے پاش پاش کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ اقبال کا فکر و فلسفہ ابھی نکھر کر سامنے نہیں آیا اور نہ ہی اقبال کے فلسفیانہ افکار کی کسی نے نظام بندی کی ہے۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی نے صرف اقبال کے فلسفہ کی نظام بندی پر پھسپھسا سا مقالہ تحریر کیا۔ اقبال کا فلسفہ اور کلام ابھی دریافت، تدوین و ترتیب اور تشریح کے مرحلے میں ہے اور وہ بھی ناقص ہاتھوں میں ہے۔ اقبال کے نظریہ ریاست کو پاکستان کی صورت میں تجرید سے عمل میں لانے کے لیے قائداعظم جیسی شخصیت ہی کامیاب بنا سکتی تھی۔ اتنی ہی بڑی شخصیت اقبال کے فلسفے کی نظام بندی کے لیے درکار ہے تبھی ہم اس عظیم فلسفی کی فکر سے آگاہی حاصل کر سکیں گے۔ جگن ناتھ آزاد کی اقبال اور مغربی مفکرین اور ڈاکٹر نذیر قیصر کی کتاب اپنے موضوع پر بچوں کی کتابیں ہیں جو ان کے فلسفے کا مغربی فلاسفہ سے تقابل کرنے کے قابل نہیں۔ نہ وہ اقبال کے کسی فکری نظام کی تشکیل کرتی ہیں اور نہ موازنہ۔ ان کے کام صرف کلام اقبال اور نثر اقبال سے ان فلاسفہ کے متعلق اشعار اور اقتباسات پیش کرنے تک محدود ہیں ان میں سے کسی نے کانٹ پر اقبال کے اعتراضات اور اشپنگلر یا دوسرے فلاسفہ کے ساتھ گہرائی میں مطالعہ نہیں کیا ہے۔ بی۔ اے۔ ڈار، ڈاکٹر این میری شمل، ایس ایم رشید اور بعض دوسرے لکھنے والوں نے اقبال کو کبھی نیٹشے کا، کبھی گوئٹے کا، کبھی دانتے کا اور کبھی ہیگل و مارکس اور ولیم جیمز کا پیروکار بنا دیا حالانکہ اقبال نے ان میں سے کسی کو بھی پورے طور پر قبول نہیں کیا ان پر نقد و نظر کے بعد ان کے افکار کا تجزیہ کر کے ان کے بعض پہلوؤں پر تخلیقی انداز میں صاد کیا جو ان کے نظریات کو

تقویت دیتے تھے اور بعض پر نقد کی۔ اقبال نے برگساں، نیٹشے، اشپنگلر، ڈارون، کانٹ اور ہیگل کے ساتھ ساتھ مارکس پر بھی سخت تنقید کی، ہیگل کے صدف کو گہر سے خالی قرار دیا۔ افلاطون کو گوسفند قدیم قرار دیا ارسطو کے سکونی نظریات کو رد کیا کانٹ کے اخلاقی جواز اور شے نفسہ کو نہ جانے کے دعویٰ اور مذہب کو محض اخلاقی ضرورت کہنے کو مسترد کیا، مذہب، دینی تجربے کی اثابت کو قبول کیا۔ اشپنگلر کے اسلامی تہذیب پر اعتراضات کا ابطال کرتے ہوئے کہا کہ تہذیبیں دوبارہ بھی جنم لے سکتیں ہیں۔ بعض جدید طبیعین اور نفسیات دانوں کے تصورات کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ ظاہر ہے اس مختصر مضمون میں ان کے اور اقبال کے نظریات کا تقابل ممکن نہیں لیکن ایک بات ضرور کہی جا سکتی ہے کہ اقبال نے مشرق و مغرب کے تمام فلسفوں کا مطالعہ کیا، ان سے استفادہ کیا مگر وہ مجموعی طور پر سب کے نقاد تھے اور کسی کے بھی کسی تصور میں مقلد نہ تھے انہوں نے مشرق و مغرب کے فلسفے کے مطالعے سے اپنا ایک فلسفہ حیات اور نظریہ کائنات تشکیل دیا۔ اگر کسی چیز کو اقبال کے افکار کا ماخذ اور مصدر کہا جا سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف قرآن ہے۔ انہوں نے بعض لغزشوں کے باوجود قرآن کے نظام فلسفہ کی کوشش کی۔ کسی حد تک وہ ناکام اور کسی حد تک کامیاب رہے تاہم ہمیں ایک بہت بڑی ضرورت اور ایک ناگزیر کمی کا احساس و ابلاغ عطا فرما گئے۔ یہی ان کی بہت بڑی کامیابی ہے کہ جدید دور میں انہوں نے مسلم نشاۃ ثانیہ کی اساسیات کی تدوین کا شعور پیدا کیا۔